تدبّرِ قرآن

۹۲

الّیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ــــ الشمس ــــ کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ ان کے ظاہر اور باطن میں اتنی گہری شابہت و مماثلت ہے کہ ایک عام آدمی بھی ان کی یکسانی و ہم رنگی کو محسوس کر سکتا ہے۔

سابق سورہ میں نفسِ انسانی سے متعلق فرمایا ہے: 'قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا' (الشمس-۹۱: ۹-۱۰) (فلاح پائی جس نے اس کو پاکیزہ کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا) اس سورہ میں اسی بنیادی مسئلہ کو لیا اور بتایا ہے کہ نفس کو کیا چیز آلودہ کرتی اور اس سے اس کو بچانے کی کیا تدبیر ہے اور کیا چیز اس کو پاکیزہ بناتی ہے اور یہ پاکیزگی اس کو کس طرح حاصل ہوتی ہے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱-۴) آفاق و انفس کی شہادت اس بات پر کہ قیامت حق ہے۔ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز جوڑا جوڑا پیدا کی ہے اور ہر چیز اپنی غایت کو اپنے جوڑے کے ساتھ مل کر ہی پہنچتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس دنیا کا بھی جوڑا ــــ آخرت ــــ ہے جو اس کو بامقصد بناتا ہے ورنہ یہ بالکل اندھیر نگری بن کے رہ جائے گی جس میں خیر و شر دونوں یکساں ہو جائیں گے درانحالیکہ ان میں فرق ایک امر بدیہی ہے۔

(۵-۷) وہ کردار اور عقیدہ جو آدمی کو آخرت کی کامرانیوں کا اہل اور اس راہ کو اس کے لیے آسان بناتا ہے۔

(۸-۱۰) وہ عقیدہ و عمل جو اس کے لیے ہلاکت کی راہ کھولتا اور جہنم کے کھڈ میں گراتا ہے۔

(۱۱ - ۱۴) قریش کو تنبیہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری صرف تمھیں ہدایت کی راہ دکھا دینا ہے سو یہ کام اس نے کر دیا۔ یہ ذمہ داری اس پر نہیں ہے کہ وہ اس راہ پر تمھیں چلا بھی دے۔ یہ راہ اختیار کرو گے تو اس میں تمھارا اپنا ہی بھلا ہے ورنہ یاد رکھو کہ دنیا اور آخرت دونوں خدا ہی کے قبضہ میں ہیں۔ نہ یہاں کوئی خدا سے بچا سکے گا اور نہ وہاں کوئی کام آنے والا بنے گا۔

(۱۵ - ۲۱) اس امر کی وضاحت کہ کس کردار کے لوگ دوزخ میں پڑیں گے اور کس کردار کے لوگ اس سے محفوظ رکھے جائیں گے اور ان کو کیا صلہ ملے گا؟

سُوْرَةُ الَّيْلِ

مَكِّيَّةٌ ——— آيات : ۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ آیات ۱-۲۱
وَالْاُنْثٰٓى ۝۳ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ
بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱ اِنَّ
عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۳ فَاَنْذَرْتُكُمْ
نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۴ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝۱۵ الَّذِيْ كَذَّبَ
وَتَوَلّٰى ۝۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝۱۷ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ
يَتَزَكّٰى ۝۱۸ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝۱۹
ع ۱ ۲۱/۱۷ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝۲۱

ترجمہ آیات ۱-۲۱ شاہد ہے رات جب کہ چھا جاتی ہے اور دن جب کہ چمک اٹھتا ہے اور
شاہد ہے نر و مادہ کی آفرینش کہ تمہاری کمائی الگ الگ ہے۔ ۱-۴
سو جس نے انفاق کیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھے انجام کو سچ مانا،

اس کو تو ہم اہل بنائیں گے راحت کی منزل کا اور جس نے بخالت کی اور بے پروا ہوا اور اچھے انجام کو جھٹلایا اس کو ہم ڈھیل دے دیں گے کٹھن منزل کے لیے۔ ۵-۱۰

اور اس کے کیا کام آئے گا اس کا مال جب وہ کھڈ میں گرے گا! ہمارا کام سمجھا دینا ہے! اور ہمارے ہی اختیار میں ہے آخرت بھی اور دنیا بھی۔ سو میں نے تم کو آگاہ کر دیا دہکتی آگ سے۔ ۱۱-۱۴

اس میں وہی پڑے گا جو نہایت بدبخت ہوگا، جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔ اور اس سے محفوظ رکھا جائے گا وہ خدا ترس جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کو دیتا ہے اور جس کی کسی پر کوئی عنایت بدلے کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے خدائے برتر کی خوشنودی کے لیے ہے۔ اور وہ نہال بھی ہو جائے گا۔ ۱۴-۲۱

الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى (۱-۳)

ہر چیز کے جوڑے جوڑے ہونے سے قیامت پر استدلال

یہ رات اور دن، نر اور مادہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس طرح کی قسمیں جو قرآن میں آئی ہیں ان کی ہم جگہ جگہ وضاحت کرتے آرہے ہیں کہ یہ کسی دعوے پر شہادت کے لیے آئی ہیں۔ رات اور دن، نر اور مادہ میں نسبت زوجین کی ہے اور یہ دونوں مل کر اس مقصد کو پورا کرتے ہیں جس کے لیے خالق نے ان کو پیدا کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اندر خلا ہے جو جوڑے کے ساتھ مل کر ہی پورا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ان کے وجود کی نہ کوئی افادیت باقی رہتی اور نہ ان کی صلاحیتوں کی کوئی توجیہ ہو سکتی۔ قرآن نے ان اضداد کے اندر توافق کے پہلو سے توحید پر بھی دلیل پیش کی ہے جس کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے اور قیامت پر بھی شہادت پیش کی ہے جو یہاں مقصود ہے۔ مثلاً سورۂ ذاریات میں فرمایا ہے: 'وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ' (الذّٰریٰت - ۵۱: ۴۹) (اور ہم نے ہر چیز میں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو) یعنی اس بات کی یاددہانی حاصل کرو کہ اس دنیا کا بھی جوڑا ہے اور یہ اپنی غایت کو اپنے جوڑے کے ساتھ مل کر پہنچے گی۔ اس نکتہ کی وضاحت سورۂ ذاریات کی مذکورہ آیت کے تحت ہو چکی ہے اور اس کتاب کے دوسرے مقامات میں بھی اس پر مفصل بحث ہوئی ہے۔ آگے مقسم علیہ کی وضاحت کرتے ہوئے بھی ہم اس پر روشنی ڈالیں گے۔

'وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى' میں 'مَا' ہمارے نزدیک مصدریہ ہے۔ سابق سورہ کی آیت 'وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا' (الشمس - ۹۱: ۵) کے تحت ہم اس پر بحث کر چکے ہیں، یہاں اس کے دہرانے میں طوالت ہوگی۔

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (۴)

نیک اور بد دونوں کی کمائی یکساں نہیں ہوگی

یہ وہ اصل دعویٰ ہے جو اوپر کی شہادتوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ یعنی کائنات میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہونا اور اپنے جوڑے ہی کے ذریعہ سے ہر چیز کا اپنی غایت اور مقصد کو پہنچنا چاہتا ہے کہ اس دنیا کا بھی جوڑا ہے اور وہ ہے آخرت جو لازماً ظہور میں آئے گی تاکہ یہ دنیا اپنی غایت اور اپنے مقصود کو پہنچے ورنہ یہ بالکل عبث اور بے غایت بن کے رہ جائے گی۔ اگر آخرت نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خالق کے نزدیک نیکی کرنے والے اور بدی کرنے والے دونوں یکساں ہیں۔ ایک حکیم خالق کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے کہ وہ نیک اور بد دونوں کی جدوجہد اور کمائی کو یکساں کر دے۔

لفظ 'سعی' جدوجہد کے معنی میں بھی آتا ہے اور نتیجۂ جدوجہد یعنی کمائی کے معنی میں بھی۔ یہاں

اسی دوسرے معنی میں ہے۔ قرآن میں اس معنی کی نظیر موجود ہے۔ مثلاً فرمایا ہے: وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیۙ ۝ وَاَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی (النجم ۵۳: ۳۹-۴۰) (اور یہ کہ انسان کو نہیں ملے گی مگر اپنی کمائی اور بے شک اس کی کمائی عنقریب ملاحظہ میں آئے گی)۔

قیامت کا اثبات اس کی ضرورت کے پہلو سے

'شَتّٰی' جمع ہے 'شَتِیۡتٌ' کی جس کے معنی متفرق اور الگ کے ہیں یعنی عقل اور فطرت کا بدیہی تقاضا ہے کہ نیکوں اور بدوں دونوں کی سعی کا نتیجہ ایک ہی شکل میں نہ برآمد ہو بلکہ ان کی جدوجہد کے اعتبار سے الگ الگ ہو۔ جنھوں نے نیکی کمائی ہو وہ اس کا صلہ فضل و انعام کی شکل میں پائیں اور جنھوں نے بدی کمائی ہو وہ اس کے انجام سے دوچار ہوں۔ گویا قیامت کا دعویٰ یہاں اس کی اصل ضرورت کے پہلو سے سامنے رکھا ہے کہ اس کا آنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ قیامت اور جزا و سزا کے بغیر یہ دنیا ایک اندھیر نگری اور ایک کھلنڈرے کا کھیل بن کے رہ جاتی ہے چنانچہ قیامت کو نہ ماننے والوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا ہے کہ: اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ (المومنون ۲۳: ۱۱۵) (کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بالکل عبث پیدا کیا ہے، تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے!) یہی سوال منکرین قیامت ہی سے، دوسرے مقام میں باندازِ تعجب، یوں کیا گیا ہے: اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝ مَا لَکُمۡ وقفة کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ (القلم ۶۸: ۳۵-۳۶) (کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے مانند کر دیں گے، تمھیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے فیصلے کرتے ہو!)

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰیۙ ۝ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰیۙ ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی (۵-۷)

اس فرق کی تفصیل جو نیکوں اور بدوں کی کمائی میں ہوگا

یہ تفصیل ہے اس فرق و اختلاف کی جو لازماً نیکوں اور بدوں کی کمائی میں رونما ہوگا اور جس کو رونما ہونا چاہیے بھی۔ فرمایا کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اپنے رب سے ڈرے گا، اچھے انجام کو سچ مانے گا اس کو تو ہم آسان راہ چلائیں اور آسانی کی منزل تک پہنچائیں گے۔

'اَعۡطٰی' کے بعد 'وَاتَّقٰی' کے ذکر سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اس انفاق سے مقصود ریاء و نمائش یا کوئی اور دنیوی چیز نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی تمنا اور ایک ایسے دن کا خوف ہو جس دن نیک عمل کے سوا کوئی چیز کام آنے والی نہیں بنے گی۔ اس کی وضاحت سورۂ دہر میں یوں ہوئی ہے:

یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَیَخَافُوۡنَ یَوۡمًا	وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور ایک ایسے دن
کَانَ شَرُّہٗ مُسۡتَطِیۡرًا ۝ وَیُطۡعِمُوۡنَ	سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہمہ گیر ہوگی۔ وہ ضرورتمند
الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا	ہونے کے باوجود، مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے
وَّاَسِیۡرًا ۝ اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ	ہیں۔ اس نیت کے ساتھ کہ ہم تم کو صرف اللہ کی
لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّلَا شُکُوۡرًا	خوشنودی کی خاطر کھلاتے ہیں، نہ کہ تم سے کسی بدلے

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ○ (الدھر-۷۶: ۷-۱۰)

کے طالب ہیں، نہ کسی شکریہ کے۔ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اکل کھرے دن کے ظہور سے ڈرتے ہیں۔

'وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى'۔ 'حُسْنٰى' کا موصوف لفظ 'عاقبة' یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ محذوف ہے یعنی وہ انفاق اور نیکی کے اچھے انجام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ان کی نیکی کے اصل محرک کا پتہ دیا ہے کہ آخرت کے خوف کے ساتھ ان کے اندر یہ ایمان بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی ہر نیکی کا بھرپور صلہ ہے۔ جس شخص کے اندر نہ آخرت کا خوف ہو نہ وہ یہ ایمان رکھتا ہو کہ آخرت میں اس کی رائی کے برابر کی نیکی کا بھی صلہ ملنے والا ہے، وہ اول تو کچھ خرچ کرنے کا حوصلہ کر سکتا ہی نہیں اور کرے گا بھی تو لازماً اپنے کسی دنیوی مفاد کو سامنے رکھ کر کرے گا۔ یہ انفاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک بالکل بے برکت ہے۔ سورۂ ماعون میں فرمایا ہے: 'اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ' (الماعون-۱۰۷: ۱-۳) (تم نے دیکھا روز جزا کے جھٹلانے والے کو! یہی ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا اور مسکینوں کو کھلانے پر نہیں ابھارتا)۔

'فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى'۔ 'یُسْرٰى' کا موصوف بھی 'حُسْنٰى' کے موصوف کی طرح محذوف ہے۔ یعنی 'العاقبة الیُسْرٰى' یہ اس سنتِ الٰہی کا حوالہ ہے جو قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوئی ہے کہ جو شخص نیکی کی راہ اختیار کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس راہ کی مشکلات آسان کرتا اور اس کو کامیابی کی منزل تک پہنچنے کی توفیق بخشتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا' (العنکبوت-۲۹: ۶۹) (جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت بخشیں گے)۔ یہاں اس کی منزل کو 'یُسْرٰى' سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ اس کا حساب آسان ہوگا، چنانچہ فرمایا ہے: 'فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا' (الانشقاق-۸۴: ۷-۸) (رہا وہ جس کا اعمال نامہ اس کے دہنے ہاتھ میں پکڑا یا جائے گا تو اس کا حساب نہایت آسان ہوگا)۔

'وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى' (۸-۱۰)

مقابل گروہ کے انجام کا بیان

یہ مقابل گروہ یعنی ان لوگوں کا بیان ہے جو اسی دنیا کی زندگی کو کل زندگی سمجھتے ہیں۔ جو اپنے مال پر مارِ گنج بن کر بیٹھے اور آخرت سے بالکل نچنت ہیں، جو نہ کسی جزاء و انعام کے قائل اور نہ اس کے لیے کوئی بازی کھیلنے کا حوصلہ رکھتے۔ فرمایا کہ ان کا حشر مذکورہ بالا گروہ سے بالکل مختلف ہوگا۔ ان کو اللہ تعالیٰ اس راہ پر چلنے کے لیے ڈھیل دے دے گا جو ان کو نہایت کٹھن منزل پر لے جا چھوڑے گی۔ یہاں بھی 'عُسْرٰى' کا موصوف محذوف ہے اور 'تیسیر' امہال یعنی ڈھیل دینے کے مفہوم میں ہے۔

قرآن میں یہ سنتِ الٰہی جگہ جگہ بیان ہوئی ہے کہ جو لوگ نیکی کی راہ اختیار کرنے کا حوصلہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کی باگ ان کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ ان کو اپنے نفس سے کوئی مزاحمت نہیں کرنی پڑتی اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی راہ نہایت ہموار ہے۔ نفس کی پیروی کرتے ہوئے وہ خوش خوش زندگی کی آخری منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو اس مرحلہ سے سابقہ پیش آتا ہے جس کو قرآن نے سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (المدثر-۷۴: ۱۷) (میں اس کو چڑھاؤں گا ایک کٹھن چڑھائی) سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں اسی مرحلے کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بالکل برعکس ان لوگوں کی زندگی ہوتی ہے جو ایمان اور عملِ صالح کی راہ پر چلنے کا حوصلہ کر لیتے ہیں۔ ان کو قدم قدم پر اپنے نفس کی خواہشوں سے لڑائی کرنی پڑتی ہے اور اس لڑائی ہی سے ان کو بالتدریج وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو راہ کے عقبات عبور کرنے میں ان کو مدد دیتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کے سامنے فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۙ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ[1] (الفجر-۸۹: ۲۹-۳۰) کی آخری منزل آجاتی ہے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى (۱۱)

بخیلوں کو تنبیہ

یہ 'مَا' نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور سوالیہ بھی۔ دونوں صورتوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوگا لیکن سوالیہ میں زیادہ زور ہے اس وجہ سے میں نے اسی مفہوم کو لیا ہے۔ یہ بانداز سوال ان لوگوں کو تنبیہ اور ملامت ہے جو مال رکھتے ہوئے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے شخص کو اس کا مال اس وقت کیا نفع پہنچائے گا جب وہ جہنم کے کھڈ میں گر جائے گا! ـــــ مطلب یہ ہوا کہ مال کا اگر کوئی مستقل فائدہ ہے تو یہ ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں خرچ کر کے اس کو اپنی ابدی زندگی کے لیے محفوظ کر لے۔ اگر ایسا نہ کیا تو یہ مال اس کے لیے نہ صرف یہ کہ کچھ نافع نہ ہوا بلکہ ہمیشہ کے لیے موجبِ وبال بنا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۖ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (۱۲-۱۳)

یہ وہی تنبیہ نسبتہً زوردار لفظوں میں ہے کہ ہمارا کام لوگوں کو راہ دکھانا ہے سو یہ کام ہم نے اپنا رسول بھیج کر اور اپنی کتاب نازل کر کے کر دیا۔ یہ ذمہ داری ہماری نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو اس راہ پر چلا بھی دیں۔ یہ لوگوں کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ راہ اختیار کریں۔ جو یہ راہ اختیار کریں گے وہ فلاح پائیں گے جو گریز کریں گے وہ اس کا انجام دیکھیں گے۔

'وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى'۔ یہ مذکورہ بالا تنبیہ پر مزید اضافہ ہے کہ لوگ یہ بات بھی اچھی طرح یاد رکھیں کہ آخرت ہو یا دنیا دونوں کے معاملات ہمارے ہی اختیار میں ہیں۔ نہ کوئی اپنی تدبیر اور اپنے زور سے اس دنیا میں کچھ بنا سکتا اور نہ آخرت میں کچھ بنا سکے گا۔ اگر کسی کو اپنے خاندانی شرف یا اپنے خیالی معبودوں پر ناز ہے تو وہ یاد رکھے کہ آخرت میں اس طرح کی مزعومہ چیزوں کا کوئی وجود نہیں ہوگا۔ ہر شخص کو صرف اللہ وحدہٗ لا شریک سے سابقہ پیش آئے گا۔ سورۂ نجم آیت ۲۵ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔

---

[1] شامل ہو جاؤ میرے بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں۔

مال دار بخیلوں کے ذہن کا خناس

اوپر آیت میں ’وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی‘ کے الفاظ جو آئے ہیں یہاں ان پر دوبارہ ایک نظر ڈال لیجیے۔ مال دار بخیلوں کے ذہن میں یہ خناس سمایا ہوا ہوتا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے ان کی اپنی تدبیر اور اپنے تدبر کا ثمرہ ہے اس وجہ سے وہ اپنے کو خدا سے بالکل بے نیاز سمجھ بیٹھتے ہیں۔ قارون کو جب یاددہانی کی گئی کہ وہ خدا کے بخشے ہوئے مال میں خدا کے حق کو پہچانے تو اس نے جواب دیا کہ ’اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ‘ (القصص - ۲۸ : ۷۸) یہ تو مجھے اپنے علم کی بدولت ملا ہے) یعنی میں نے اس کو اپنی قابلیت و ذہانت سے حاصل کیا ہے، خدا سے اس کو کیا تعلق کہ اس میں اس کا بھی کوئی حصہ ہو! یہی ذہنیت کم و بیش ہر سرمایہ دار کی ہوتی ہے۔ قرآن نے ’وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی‘ کے الفاظ سے اس شیطانی تصور پر بھی ضرب لگا دی ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ بھی خدا ہی کا دیا ملتا ہے اور آخرت میں جو کچھ ملے گا وہ بھی خدا ہی کے دیے ملے گا۔ نہ آخرت میں اس کا کوئی شریک و سہیم ہے نہ دنیا میں۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ۝ لَا یَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَی ۝ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی (۱۴-۱۸)

قریش کی طرف التفات

اصولی طور پر حقیقت بیان کر دینے کے بعد یہ خاص طور پر بھی قریش کو مخاطب کر کے واضح فرما دیا کہ ضروری تھا کہ تمھیں پہلے سے آگاہ کر دیا جائے اس وجہ سے میں نے تمھیں اس بھڑکنے والی آگ سے آگاہ کر دیا ہے جس میں وہی لوگ پڑیں گے جو نہایت بدبخت، تکذیب کرنے والے اور منہ موڑنے والے ہوں گے۔ اور وہ اس سے محفوظ رکھے جائیں گے جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے خرچ کریں گے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ امر یہاں واضح رہے کہ مقابلہ یہاں کم شقی اور زیادہ شقی یا زیادہ متقی اور کم متقی میں نہیں ہے بلکہ رسول کی تکذیب کرنے والوں اور اس کی تصدیق کرنے والوں میں ہے۔ رسول اتمام حجت کا کامل ذریعہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے جھٹلانے والے سب ’اَشْقٰی‘ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ’اَشْقٰی‘ کی صفت ’اَلَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی‘ آئی بھی ہے جس سے مقصود اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں زیر بحث وہ لوگ ہیں جو رسول کی تکذیب اس کے سامنے کر رہے تھے۔ فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جو سب سے زیادہ شقی ہیں اور یہ اس جہنم میں پڑیں گے جس کی آگ پہلے سے ان کے لیے تیار اور شعلہ زن ہے۔ برعکس اس کے رسول کے انذار سے چوکنے ہو کر جو لوگ روز حساب کی تیاریوں میں لگ گئے اور اپنے نفس کو آلائشوں سے پاک کرنے کے لیے اپنے مال خرچ کرنے لگے وہ سب ’اَتْقٰی‘ ہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے ایسے وقت میں رسول کی بات مانی جب معاشرہ بحیثیت مجموعی اس کا دشمن تھا اور ایسے وقت نیکی کی راہ پر چلے جب اس پر چلنے کا حوصلہ کرنے والے بہت تھوڑے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کے ابتدائی دور کے ساتھیوں کا درجہ ’سابقین‘ اور ’مقربین‘ کا ہے جس میں بعد والوں کو شامل ہونے کی سعادت کم ہی حاصل ہو گی۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ دوزخ صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جو زیادہ شقی ہوں گے، عام شقی دوزخ میں نہیں جائیں گے، لیکن یہ بات نہایت کمزور ہے۔ اگر اس کو صحیح مانیے تو ایک شخص

اس آیت سے یہ استنباط بھی کر سکتا ہے کہ دوزخ سے صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو اعلیٰ درجے کے متقی (اتقیٰ) ہوں گے، عام متقی اس سے محفوظ نہیں رہیں گے یا یہ استدلال کر سکتا ہے کہ جنت کے حقدار صرف 'اتقیٰ' ہوں گے، عام متقی اس سے محروم رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ جن لوگوں نے بھی اس طرح کی کوئی بات کہی ہے ان کو غلط فہمی صرف آیات کا موقع و محل نہ سمجھنے سے پیش آئی ہے۔ ہم نے موقع و محل کی وضاحت کر دی ہے جس کے بعد اس طرح کی غلط فہمیوں کی راہ مسدود ہو گئی ہے۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ۙ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی (۱۹-۲۰)

انفاق وہ مقبول ہے جو رضائے الٰہی کے لیے ہو

یہ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی کی وضاحت ہے۔ یعنی تزکیۂ نفس کے مقصد کے لیے وہ انفاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک وزن رکھتا ہے جو صرف اس کی خوشنودی اور رضا جوئی کی خاطر کیا جائے، یہ غرض نہ ہو کہ کسی کو ممنونِ احسان کر کے اس سے کسی شکل میں اس کا بدلہ چاہا جائے۔ اوپر سورۂ دہر کی آیت لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا (الدھر ۷۶: ۹) (ہم کسی بدلے یا شکریہ کے طالب نہیں ہیں) ہم نقل کر آئے ہیں۔ جو مضمون اس آیت کا ہے وہی مضمون دوسرے لفظوں میں یہاں بھی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ 'اور کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا وہ بدلہ دے'۔ اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے اس ترجمہ کو غلط نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ جو شخص اس پر کچھ خرچ کرے جس نے پہلے اس پر کوئی احسان کیا ہے تو یہ انفاق اللہ کی رضا کے لیے نہ ہو گا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ احسان کرنے والے پر احسان کرنا اس درجہ کی نیکی نہ سہی جو کسی احسان نہ کرنے والے پر کی جاتی ہے لیکن آخر یہ نیکی کیوں نہیں ہے؟ ایک غریب نے آپ کو کبھی پیاس میں پانی پلا دیا تھا، کیا آپ اس کو بھوک میں روٹی کھلا دیں گے تو آپ کا یہ فعل رضائے الٰہی کے لیے نہ ہو گا!

ہم نے آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس پر ایک نظر پھر ڈال لیجیے۔ ہمارے نزدیک یہ ترجمہ زبان کے اعتبار سے بھی صحیح ہے اور تاویل کے پہلو سے بھی اس میں کوئی الجھن نہیں پیدا ہوتی۔

وَلَسَوْفَ یَرْضٰی (۲۱)

یہ ان لوگوں کو بشارت ہے جو اس طرح کے انفاق کی سعادت حاصل کریں گے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ فرمایا کہ وہ نہال ہو جائیں گے۔ ان دو لفظوں کے اندر ربِ کریم نے جو کچھ بخش دیا ہے اس کی تعبیر سے زبانِ قلم قاصر ہے۔ یہ وہی 'رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً' کی ابدی بادشاہی ہے جس کا ذکر اس کے محل میں ہو چکا ہے۔

ان سطور پر سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

لاہور

۲۸ - جنوری ۱۹۸۰ء

۹ - ربیع الاول ۱۴۰۰ھ